قاضی نذرالاسلام کی چند نظمیں

قاضی نذرالاسلام،سوانحی خاکہ

از باسو،کلکتہ،مغربی بنگال(basu@marxists.org)

قاضی نذرالاسلام

قاضی نذرالاسلام 24 مئی 1899 کو ہندوستان کے ایک دورافتادہ گاؤں چورلیا Churulia ضلع بردوان میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام قاضی فقیر احمد تھا اوران کی والدہ کا نام زاہدہ خاتون تھا۔ ان کو بچپن میں دکھومیاں کے نام سے پکارا جاتا تھا۔یہ ایک مفلس خاندان تھا۔آٹھ سال کی عمر میں ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔خاندان کو سنبھالنے کی ذمے داری بڑے بچوں پر آن پڑی۔ان کے والد ایک مقامی مسجد میں امامت کرتے تھے۔بچپن ہی میں انہیں مسلم اور ہندو دونوں مذاہب کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا چونکہ یہ صدیوں سے ہندوستانی معاشرے میں ساتھ ساتھ وجود رکھ رہے تھے۔لڑکپن میں وہ ہندوؤں کے سادھوؤں اور مسلمانوں کے فقرا کا اپنے اپنے مذہب کے بارے پرچار سنا کرتے تھے اوران کی تشریحات پرغور کرتے۔نذرل بہت خوش الحان تھے۔انہوں نے ایک ریلوے گارڈ کے گھر میں ملازمت کر لی جوان کی آواز کی شیرینی کا مداح تھا۔اس طرح ان کے معاشی مسائل کسی حد تک تو کم ہو گئے۔انہیں بار بار نوکری بدلنا پڑی۔لوگ ان کو گاتا سنتے تو جھوم جھوم جاتے۔آخر کار انہیں سکول کی تعلیم کا موقع مل ہی گیا۔ ان کی ذہانت اوران کی تحریروں کی خوبصورتی کی بنا پر انہیں سکول میں فیس معافی کی رعایت دے دی گئی۔اگرچہ وہ اپنے آپ کو زندگی کی اکتا دینے والی روش تک محدود نہ کر سکتے تھے اور پڑھائی میں بہت کم وقت لگاتے،اس کے باوجود انہوں نے امتحان پاس کئے اور ہائی کلاسز میں پہنچ گئے۔تاہم جب وہ داخلے

کے امتحان کی تیاری کر رہے تھے، پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی۔ وہ برطانیہ کی ہندوستانی فوج میں بھرتی ہو گئے اور ان کی تعیناتی ان علاقوں میں ہوئی جہاں اب پاکستان ہے۔ اس دوران انہوں نے فارسی زبان سیکھی اور اس میں مہارت حاصل کی۔ پھر انہوں نے فارسی شعرا، خاص طور پر حافظ کے کلام کا ترجمہ اپنی مادری زبان بنگالی میں شروع کیا۔ ان کا کام بہت سے مشہور بنگالی رسالوں میں شائع ہوا۔ 'پرابسی' ان میں سے ایک تھا۔ یہاں ان کی ملاقات پبترا مکھو پادھائے سے ہوئی جو ان کے گہرے دوست بن گئے۔ اس دور میں انہوں نے نظمیں کہنا شروع کیں اور چند افسانے بھی لکھے۔ اس سے وہ بنگال کے ادبی حلقوں میں کافی مشہور ہو گئے۔

فوج کو چھوڑ کر وہ کلکتہ آ گئے اور اپنے بچپن کے بہترین دوست سیلاج نند امکھو پادھیائے کے ساتھ رہنے لگے۔ ان کا رابطہ مظفر احمد سے ہوا جو ایک مشہور سیاسی لیڈر تھے اور مسلم ادبی کمیٹی کلکتہ کے ممبر تھے۔ مظفر احمد، سیلاجن نندا اور پبترا نے مل کر ان کی ادبی صلاحیتوں کو نکھارا۔ اپنے نئے اور پرانے دوستوں کو ملا کر قاضی نذرالاسلام نے ادب اور موسیقی کو ترقی دینا شروع کی۔ دونوں مذاہب سے تعلق رکھنے والے نوجوان دوست ایک جگہ بیٹھتے، مل کر کھانا کھاتے، اور اکٹھے وقت گزارتے۔ ایسے میں یہ اور بھی مشکل تھا کیونکہ مذہبی رواداری ختم ہوتی جا رہی تھی۔ وہ ایک رسالے 'مسلم بھارت' میں بھی لکھا کرتے تھے۔ ان کی ملاقات ستیند رناتھ دتہ سے ہوئی جس نے انہیں مشہور شاعر رابندر ناتھ ٹیگور سے ملوایا۔ اس وقت قاضی صاحب بہت حیران ہوئے جب انہیں علم ہوا کہ ٹیگور ان کی تحریروں سے آشنا تھے۔ انہوں نے قاضی صاحب کو سچے دل سے مشورے دئے۔

اس دور میں برطانوی راج سے آزادی کی تحریک زور پکڑ رہی تھی۔ پھر سال 1920 آیا۔ پچھلے سال بدنام زمانہ رولٹ ایکٹ نافذ ہوا جو عوام کو دبانے کے لئے بنایا گیا تھا۔ اسی سال جلیانوالہ باغ کا واقعہ پیش آیا جس میں برطانوی فوج اور پولیس نے ہزاروں بے گناہوں کو شہید کر دیا۔ سارے ملک میں عوام برطانوی ظلم کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔ آزادی کی دو مقبول تحریکیں، عدم تعاون کی تحریک، اور تحریکِ خلافت تھیں۔ ایسے میں نذرل نے اپنے قلم کو عوام کے لئے استعمال کیا اور ان کے جذبات، حقوق، ان کے غصے اور بے چینی کو نظموں میں بیان کیا۔ جب کلکتہ اور باقی کے بنگال نے برطانوی وارثِ تخت کی آمد پر ہڑتال کی، تو نذرل نے احتجاجی گیت لکھے، وہ اپنے ہارمونیم کے ساتھ جلوسوں میں سب سے آگے ہوتا۔ وہ لوگوں کی آواز میں آواز ملا کر گاتا۔ اسی دور میں ان کا رابطہ بارن گھوش سے ہوا جو بہت بڑے انقلابی رہنما تھے اور جن پر مشہور مانکتالا بمب کیس بنا۔ مظفر احمد اور کچھ اور دوستوں کے ساتھ انہوں

نے ایک اخبار 'نبا یگ' (نیا زمانہ) شروع کیا۔ یہ صحیح معنوں میں عوام کا اخبار تھا۔ ان کی تحریروں نے نہ صرف عوام کو برطانوی سامراج کے خلاف ابھارا، بلکہ مذہبی منافرت کو بھی بے نقاب کیا۔ برطانوی حکومت نے اخبار پر پابندی لگانے کی دھمکی دی۔ نذرل اس کو چھوڑ گئے۔ بعدازاں مظفر احمد بھی اس سے علیحدہ ہو گئے اور یہ ایک رجعت پسند اخبار بن گیا۔

کچھ عرصہ بعد، نذرل برطانوی سامراج کے خلاف تحریک میں عملی حصہ نہ لے سکے اور انہوں نے اپنی شاعری کی طرف توجہ دی۔ سال 1921 میں ان کی نظم 'ودروہی' (باغی) ہفتہ وار بنگالی رسالے 'بجولی' میں شائع ہوئی۔ یہ ہر قسم اور ہر دور کے ظلم، جارحیت، استحصال کے خلاف ایک دھماکہ ثابت ہوئی۔ شاعر ہر قسم کی زنجیروں کو ہمیشہ کے لئے توڑنے کی بات کر رہا تھا۔ اگرچہ اس نظم میں ایسا کوئی متبادل نظریہ موجود نہ تھا کہ نیا سماج کس طرح تعمیر ہوگا، لیکن اس میں یہ پیغام ضرور تھا کہ ظلم اور ناانصافی کی تباہی ہی نئے سماج کی تعمیر کی بنیاد ہے۔ اس مفہوم کی بنا پر یہ انقلاب کی حمایت تھی نہ کہ وقتی اصلاح پسندی کی تشریح۔ اس نظم کا عوام پر بہت بڑا اثر ہوا۔ یہ لوگوں کے دلوں کو چھو گئی اور نذرل ایسا شاعر بن گیا جو لوگوں کے دلوں میں رہتا تھا۔ 'بدروہی' کا باغیانہ جذبہ ان کی اگلی نظم میں نظر آتا ہے جس میں جیل کو انسان پر تشدد اور انسان کی توہین کی جگہ کہا گیا ہے۔ نظم میں لوگوں سے کہا گیا کہ ظلم کی اس علامت کو زمین بوس کر دیں۔ سال 1922 میں انہوں نے تن تنہا ایک رسالہ 'دھم کیتو' (comet) شروع کیا جس کے لئے مالی معاونت ایک دوست نے کی۔ ٹیگور، سارت چندر چٹو پادھیائے، بارن گھوش اور اپندر باندو پادھیائے نے رسالے کے لئے خیر سگالی کے پیغامات بھیجے۔ ٹیگور نے ایک نظم لکھی کہ ایک ستارے کی مانند یہ اخبار لوگوں کو جہالت اور بے خبری سے جگائے گا۔ سوائے مظفر احمد کے دوسرے لوگ جیسا کہ ناری پیندرا چٹو پادھیائے، بھوپتی موجمدار اور کئی دوسرے اس اخبار کے لئے کام کرنے لگے۔ ایک طرف تو کانگرس پارٹی نے، جو اس وقت ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی تھی یہ مطالبہ کیا، بلکہ ''التجا'' کی کہ ہندوستان کو برطانوی حکومت dominion status عنایت کر دے، نذرل نے 'دھم کیتو' اخبار میں لکھا، ''ہم برطانیہ سے مکمل آزادی چاہتے ہیں۔ ہمیں سیلف رول اور مشترکہ اقتدار کی خرافات سے کچھ لینا دینا نہیں۔ کسی کو اجازت نہیں کہ وہ ہندوستان کے معاملات میں دخل دے۔ یہ التجا اور دعاؤں کا وقت نہیں۔ ہمیں التجا اور دعا کی بری عادتوں کو ختم کرنا ہوگا''۔ سامراجی حکومت اس سے سیخ پا ہو گئی۔ پولیس نے اخبار کے دفتر پر چھاپہ مارا۔ نذرل کو کومیلا (اب بنگلہ دیش) میں بغاوت کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ مقدمے کی کاروائی کے دوران نذرل نے ایک تحریری بیان دیا جس میں بے باک ہو کر احتجاج کیا اور اپنے موقف کو

دہرایا۔ مقدمے میں نذرل کو سزا ہوئی اور انہیں ایک سال کے لئے جیل بھیج دیا گیا۔ حکومت نے انہیں سیاسی قیدی کی سہولیات دینے سے انکار کر دیا لیکن وہ ان کے ارادے کو متزلزل نہ کر سکی۔ جیل میں انہوں نے مرن برت رکھ لیا۔ حکومت کو مجبور ہو کر انہیں کچھ سہولیات دینا پڑیں۔

1924 میں نذرل نے پرومیلا نامی ہندو لڑکی سے شادی کر لی۔ اس کا تعلق ایک مشہور ہندو خاندان سے تھا اور نذرل بھی اس کی ماں کی اپنی ماں کی طرح عزت کرتا تھا۔ اس نے اس شادی کی مکمل حمایت کی۔ اس وقت ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین مذہبی منافرت عروج پر تھی۔ ایسے میں اس شادی کے خلاف طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن محبت کی فتح ہوئی۔ اپنی شادی سے پہلے اور بچپن کے دوران بھی نذرل ہندو اور مسلمان دوستوں سے گھل مل جاتے تھے۔ اپنی لاتعداد تحریروں میں انہوں نے ہندو یا مسلمان، دونوں مذاہب کو رد کر دیا اور انسانیت کے عالمگیر مذہب کا علم بلند کیا۔ وہ ہندو اور مسلم مذاہب سے تشبیہات، استعارات اور امیجز لیتے اور اپنی شاعری میں استعمال کرتے۔ انسانیت سے ان کی محبت مذہبی منافرت سے بالاتر تھی۔ ان کا دل ہر ایک کے لئے محبت کا بحر بیکراں تھا۔ لیکن ستم ظریفی دیکھئے کہ ہندو اور مسلمان، دونوں ان کے مخالف ہو گئے۔ ہندو انہیں 'اچھوت' کہتے اور مسلمان انہیں 'کافر' کا لقب دیتے۔ اس وقت برطانوی حکمران آزادی کی تحریک میں مذہبی تفرق کے بیج بونے کی کوشش کر رہے تھے۔ سیاسی پارٹیاں مذہبی بنیادوں پر اپنے مفادات حاصل کرنے کی کوشش میں تھیں۔ ایسے میں انہوں نے پوری کوشش کی کہ آزادی کی تحریک درست راستے پر چلے۔

ان کے اعزاز میں ہونے والی ایک تقریب 1929 میں منعقد ہوئی۔ اس میں مشہور سائنس دان اچاریہ پی۔ سی۔ رے، اور مشہور مصنف ایس واجد علی شامل تھے۔ انہوں نے کہا، ''میں اس ملک میں پیدا ہوا، اس معاشرے میں پلا بڑھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں صرف اس ملک تک محدود ہوں۔ میں تمام ممالک کا باشندہ ہوں، میرا تعلق تمام معاشروں سے ہے۔ لیکن میں ان سے بالا ہوں کیونکہ میں ایک شاعر ہوں۔ میرا مذہب ہر اس چیز کی پرستش کرنا ہے جو اچھائی ہے۔ ان دو ملکوں، ہندو اور مسلمان، کو میں نے جدال سے تعاون کی طرف لانے کی کوشش کی ہے۔''

ان کی جدوجہد کا اختتام 43 سال کی عمر میں ذہنی بیماری کی وجہ سے ہوا۔

☆☆☆☆☆☆

قاضی نذرالاسلام

ایک مطالعہ

محمد اشرف

اس کے اشہب قلم نے شعلے اگلے، چنگاریاں پھینکیں اور بغاوت کی آگ طویل وعریض ملک میں پھیلا دی۔ وہ غیر ملکی استعمار کے خلاف مسلسل اور لگاتار جہاد کرتا رہا۔ اسے قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں، اپنوں کے طعنے سننے پڑے، بیگانوں کا ہدف ملامت بننا پڑا، لیکن اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ وہ مخالفتوں کے طوفان کو خاطر میں نہ لایا۔ وہ ملامت کی آندھیوں سے ڈگمگایا نہیں۔ وہ ہمعصروں کی کڑی تنقید اور نکتہ چینی سے گھبرایا نہیں۔ اس نے وہی کہا جو اس کی آنکھوں نے دیکھا، دماغ نے محسوس کیا اور ضمیر کی جس نے اجازت دی۔ اس نے جس ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں وہ اس سے بے حد متاثر ہوا۔ وہ کبھی مزدور کی بے کسی پر رویا اور کبھی کسان کی مفلوک الحالی نے اُسے مرغ بسمل کی طرح تڑپایا۔ اُس نے کبھی بے باکی اور سرکشی کی حدود کو روندتے ہوئے دامن یزدان پر ہاتھ ڈالا اور کبھی کدال بدست سرمایہ داری کے قصر رفیع کی سنگین دیواریں ڈھانے کے لیے بڑھا۔ کبھی اُس نے غیر ملکی سامراجیت پر ضرب لگائی اور کبھی سماج کے فرسودہ اور بوسیدہ نظام کے تار پود بکھیرنے کے لیے نوک قلم کو حرکت میں لایا۔

اُس کی شاعری میں ٹیگور کا تصوف اور اقبال کا دقیق فلسفہ حیات نہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اُس نے ندیوں اور دریاؤں کی سرزمین میں وہی راگ الاپا، وہی گیت گایا، جو اقبال نے پنجاب کے سرسبز و شاداب میدانوں میں گایا تھا۔ اقبال نے مسلمان کو ماضی کے آئینے میں مستقبل کو سنوارنے اور نکھارنے کی دعوت دی۔ لیکن نذرالاسلام نے ماضی، حال اور مستقبل کے جھمیلوں میں پڑنے کی زحمت اٹھائے بغیر ہر فرسودہ اور بوسیدہ نظام اور عہد حاضر کی سامراجیت اور استعماریت کے خلاف پُرجوش الفاظ میں بغاوت کا پیغام سنایا۔

اس میں شک نہیں کہ اقبال کی شاعری مستقل پیغام حیات کی حیثیت سے ہمیشہ زندہ رہے گی۔ لیکن نذرالاسلام کا پیغام وقت کی پکار ہے۔ وہ خود کہتا ہے:

میں زمانہ حال کا شاعر ہوں۔

مستقبل کا پیغمبر نہیں۔

وہ اپنے نکتہ چینوں کو مخاطب ہو کر پھر ایک جگہ کہتا ہے۔

مجھے اس کی قطعاً پروانہیں کہ مستقبل مجھے یاد کرے گا یا نہیں۔
آرزو ہے تو صرف یہ
کہ وہ نظامِ حکمرانی،
وہ عناصر
جو خلقِ خدا کو بھوکوں تڑپا رہے ہیں،
میرے آتشیں گیت
ان کے خرمنِ حیات کو جلا کر راکھ کر دیں
اور ایسے نظامِ حکمرانی کے لیے پیامِ مرگ ثابت ہوں۔

نذرالاسلام کی شاعری کی ابتداء میدانِ جنگ میں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی شاعری میں توپوں کی گرج، ٹینکوں کی ہولناک آواز، گولیوں کی تڑ اق پڑاق، خون کے دھارے، زخمیوں کے کراہنے اور بسملانہ رقص کی جانگسل صوتِ روح شکن نمایاں ہے۔ وہ ایک جانباز اور سرفروش سپاہی کی طرح بلند و پست سے بے نیاز ہو کر لاشوں کو روندتا، خندقوں کو پھاندتا، دشمنوں کی کھوپڑیوں کو فٹ بال بناتا، برابر اپنی منزل کی طرف بڑھا چلا جاتا ہے۔ وہ نہ دریاؤں کی پرواہ کرتا ہے نہ فلک بوس پہاڑوں کو خاطر میں لاتا ہے۔ نہ لق و دق ریگزاروں سے خوف زدہ ہوتا ہے۔ نہ سرسبز و شاداب مرغزاروں کو دیکھ کر متاثر ہوتا ہے۔ اُس کے سامنے صرف ایک مقصدِ حیات ہے کہ فرسودہ نظامِ حیات کے کھنڈروں پر ایک ایسے نظامِ حیات کی داغ بیل ڈالے کہ جس میں مذہب کے نام پر لوٹ کھسوٹ نہ ہو، جس میں انسان، انسان کے خون کو شرابِ ارغوان سمجھ کر شیرِ مادر کی طرح بغیر ڈکار لیے ہضم نہ کر سکے۔ جس میں چند سرمایہ دار دولت اور طاقت کے بل بوتے پر خلقِ خدا کو بھیڑ بکریوں کا گلہ تصور کر کے جدھر چاہیں ہانک کر نہ لے جا سکیں۔ جس میں ملوکیت کی بھٹی میں آگ روشن رکھنے کے لیے انسانوں کو ایندھن نہ بنایا جا سکے۔ چنانچہ نذرالاسلام جو بنگال کے ضلع بردوان کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک کسان گھرانے میں پیدا ہوا تھا اور جس نے زندگی کی ابتداء پہلی جنگِ عظیم میں ایک سپاہی کی حیثیت سے کی تھی، جس نے جنگ کی ہولناکیوں میں خندق میں بیٹھ کر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے جذبات کو پہلی نظم کی شکل دی، بنگال کا باغی شاعر بن کر بنگالی ادب کے آسمان پر درخشاں بن کر چمکا۔

اس دہقان زادے کے گیت بنگال کے بچے بچے کی زبان پر جاری ہو گئے۔ کھیتوں میں ہل جوتنے والے کسان، کارخانوں میں کام کرنے والے مزدور، دفتروں کے کلرک، سکولوں اور کالجوں کے طلباء اور

طالبات، اس کے گیتوں کو لے اُڑے۔ سی آر داس ایسا محبِّ وطن نذرالاسلام کی نظمیں اپنے اخبار کے صفحہ اول پر شائع کر کے اس کی انقلابی شاعری کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا۔ پروفیسر بنے کمار سرکار نے بنگلہ ادب پر اپنی ایک تصنیف میں نذرالاسلام کی نظم ''باغی'' کو بنگلہ ادب میں انقلاب کا محرک قرار دیکر بنگال کے ادب نواز حلقوں کو نذرالاسلام کے تتبع کی دعوت دی۔ اور اعتراف کیا کہ ''بنگال کی سوئی ہوئی روح کو بیدار کرنے کا سہرا شاید مسلمانوں کے ہی سر بندھنے والا ہے''۔ اس میں شک نہیں کہ ٹیگور سکول کے حامیوں نے نذرالاسلام کی شاعری پر شدید حملے کیے۔ لیکن ان حملوں نے نذرالاسلام کی شہرت کو داغدار کرنے کے بجائے اور چمکا دیا۔ اور بنگال کا نوجوان اور محبت وطن طبقہ اُس کا شیدائی ہو گیا۔ ایک وقت آیا کہ ٹیگور آنجہانی کو نذرالاسلام کی بلند وارفع حیثیت کا اعتراف کرنا پڑا۔

نذرالاسلام نے بنگلہ ادب میں عربی اور فارسی کی روح کو سمونے کی پوری کوشش کی۔ اُس کی اس نئی طرز پر سخت لے دے کی گئی۔ اور اُسے فرقہ پرستی کا طعنہ بھی دیا گیا۔ لیکن وہ اپنے ڈگر سے ہٹا نہیں۔ چنانچہ آہستہ آہستہ اُس کی طرز نگارش کو مقبولیت حاصل ہوتی گئی۔ اور نوجوان طبقہ اُس کی کھلم کھلا تقلید اور تتبع کرنے لگا۔ آج وہ غزل بنگلہ ادب اور بنگلہ شاعری کا جزو لاینفک بن چکی ہے جس کا موجد نذرالاسلام ہے۔

نذرالاسلام نے بنگلہ شاعری میں نئی نئی بحریں ایجاد کیں اور ان بحروں کے اوزان موسیقی کے اصولوں پر وضع کیے۔ نذرالاسلام نے نہ صرف سنسکرتی بنگالی کے قالب میں عربی اور فارسی کی روح کو سمویا، بلکہ اُس نے بنگالی موسیقی میں بھی نئی طرزوں کو رواج دیا۔ ان نئی طرزوں کی اساس بھی بہت حد تک عربی اور فارسی موسیقی کے امتزاج پر رکھی۔ نذرالسلام اپنی جدت پسند طبعیت، شاعری، اور موسیقی کی بدولت بہت جلد بنگال کا ہر دلعزیز شاعر بن گیا۔

ٹیگور سکول کی بڑھتی ہوئی مخالفت کے مقابلہ میں سی آر داس نے نذرالاسلام کو سنبھالا دیا۔ اور اس شاعر انقلاب کی نظموں کو اپنے انگریزی اخبار (FORWARD) کے سرورق پر شائع کر کے ان پر زور دار مقالات اور مضامین لکھے جن میں ٹیگور کے حامیوں کے اعتراضات کا جواب دیا۔ اور نذرالاسلام کو جدید بنگلہ ادب کا موجد قرار دیکر ٹیگور سکول کے طوفان مخالفت کو بہت حد تک ختم کر دیا۔ 1926 میں نذرالاسلام نے ایک ہندو دوشیزہ سے شادی کر لی۔ بس پھر کیا تھا۔ فرقہ پرست ہندوؤں نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ ایک طرف ہندو فرقہ پرست اُس کی جان کے لاگو ہو رہے تھے تو دوسری طرف مسلمان اُس کی بیبا کی اور مذہب پر زبان طعن دراز کرنے کی وجہ سے اُس کے مخالف تھے۔ چنانچہ ہر طرف سے مخالفت

کا طوفان اُمڈ آیا۔ نذرالاسلام کے لیے یہ بڑا نازک وقت تھا۔ سی آر داس سورگباش ہو چکے تھے۔ سارے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے تھے۔ ایسے وقت میں نذرالاسلام کا ایک ہندو لڑکی سے شادی کر لینا ستم بالائے ستم تھا۔ بنگال بلکہ سارے ملک میں فرقہ پرست ہندوؤں نے طوفان برپا کر دیا لیکن نذرالاسلام ایک چٹان تھا، جو اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ طوفان اس سے سر ٹکرا ٹکرا کر بے نیلِ مرام لوٹ گئے۔ آندھیاں اٹھیں اور گرز گئیں۔ سیلاب آئے اور آگے کو نکل گئے۔ شعروادب کی یہ چٹان جسے نذرالاسلام کہتے ہیں اپنی جگہ پر قائم رہی۔ اس کی نظموں کے بہت سے مجموعے ضبط ہو گئے۔ اسے دوبار جیل کی ہوا کھانی پڑی۔ لیکن جبر و تشدّد کے ان مورخوں کے سامنے سرنگوں نہیں ہوا۔ اُس نے جبر و استبداد کے دیوتاؤں سے رحم کی بھیک نہیں مانگی۔ اُس نے فرقہ پرست ہندوؤں اور قنوطی ملاّؤں کی مخالفت کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے بلکہ پوری بے باکی اور جرأتِ قلندرانہ سے کام لیتے ہوئے وہی کیا جو اُس کی ضمیر کی بھٹی سے ڈھل کر نوک قلم کے ذریعہ قرطاس پر ثبت ہو گیا۔

نذرالاسلام کی شاعری کی ابتدا سرزمین نتیوا پر ہوئی۔ وہ معرکۂ کربلا کے واقعات سے متاثر ہوا۔ پھر اس نے خلافت عثمانیہ کی تباہی سے اثر لیا کیونکہ یہ ایسا سانحۂ عظیم تھا کہ جس سے ساری دنیائے اسلام میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ نذرالاسلام بھی اس سے متاثر ہوا اور اس نے انور، اور مصطفٰے کمال پر دو رزمیہ نظمیں لکھیں۔ انہیں نظم نہیں بلکہ منظوم مکالمہ یا منظوم تمثیلچہ کہنا چاہیے۔ لیکن اس کے بعد نذرالاسلام نے اپنے لیے ایک نئی راہ تجویز کی۔ اس راہ پر چل کر اُس کی شعری صلاحیتیں نکھر آئیں۔ اور وہ آتش نوا شاعر کی حیثیت سے بنگال کے ہر طبقہ میں پڑھا جانے لگا۔ یہ اس کی شاعری کا دَورِ ارتقائی دَور تھا۔ اس دور کی نظموں میں جہاں وہ الفاظ کے پردہ میں انقلاب کی چنگاریاں پھینکتا ہے وہاں اُس کا تخیل اور فکر انتہائی بلندیوں پر پرواز کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی دَور میں اس نے ٹیگور کی قنوطی شاعری پر رہ رہ کر ضربیں لگائیں اور بنگلہ ادب کی بنیاد کہنہ پر بنگالی شعروادب کی نئی عمارت تعمیر کی۔ 1926 کے فرقہ وارانہ فسادات سے اس کی شاعری کا تیسرا دَور شروع ہوتا ہے۔ اس دَور میں حالات وواقعات سے مجبور ہو کر وہ غزل گوئی پر اتر آیا۔ لیکن وہ غزل میں بھی قنوطیت، رجعت، فرقہ پرستی، سماج کی بے راہروی، نظام حکمرانی کے متعلق ایسے لطیف اور دل پذیر اشارے کر جاتا ہے اور ایسی طنز کرتا ہے کہ پڑھنے والا سر دھنتا ہے اور چٹخارے لیتا ہے۔ نذرالاسلام نئے رجحان کا علمبردار ہے۔ اس نے ٹیگور کی ابہام پسندی کو چھوڑ کر رومانی حقیقت پسندی کو اپنی شاعری کی اساس قرار دیا ہے۔

اگر ہم ٹیگور اور نذرالاسلام کی شاعری کا موازنہ کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ٹیگور ایسے گیت

گا تا ہے جن میں الفاظ کی رنگینی اور حُسن تو ہے لیکن کوئی خاص فلسفہ حیات نہیں۔ وہ گیتوں میں موسیقی کو سمو کر وجدانی کیفیت پیدا کر سکتا ہے لیکن غلاموں کی رگوں کے منجمد خوں کو اپنے گیتوں سے گرما کر انہیں ایک عظیم انسانی انقلاب کا علمبردار بنانے سے یکسر قاصر ہے۔ نذر الاسلام نے اُس جمود کو توڑ دیا جسے ٹیگور کی شاعری نے پیدا کیا تھا۔ اور اپنے آتشیں نغموں سے انسانوں کے پُر سکون سمندر میں ایک ایسا جوار بھاٹا پیدا کر دیا کہ جس کی طوفانی موجوں کے سامنے ملوکیت کی سنگین عمارت لرزتی اور خم کھاتی نظر آتی۔

اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس برّصغیر میں دو عظیم شاعر پیدا ہوئے جو ایک نئے دَور اور انقلاب کے داعی تھے۔ آج کا مورخ گو اس حقیقت کو تسلیم نہ کرے، لیکن آنے والی نسل ___ ان دو عظیم مسلمان انقلابی شاعروں کے فلسفہ حیات اور پیام انقلاب کا اعتراف کرے گی اور یہ ماننے پر مجبور ہو جائے گی کہ نذر الاسلام کے باغیانہ گیتوں نے اس برّصغیر کی غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے کے لیے ایسے نوجوانوں کو جنم دیا جن کی قربانیوں نے غلامی کی ظلمتوں کو شکست دے کر صبح آزادی کے طلوع کے لیے راستہ صاف کر دیا۔

نظم

بادلوں کی گرج کڑک، دریا کے پیچ وتاب، اور موجوں کے گرداب سے نہ ڈر،
اے ناخدا،
جوار بھاٹے اور طوفان سے۔
اے ناخدا،
کیا تو بھول گیا
ترے اباؤ اجداد نے
طوفانوں میں آنکھیں کھولیں
طوفانی موجوں اور صبر شکن لہروں کا جھولا جھولا
اور دریا کی طغیانی سے ناطہ جوڑ کر زندگی گزار دی۔
وہ ___ دیکھ ___ دریا کے اُس کنارہ خس پوش جھونپڑی میں مٹی کا چراغ ٹمٹمارہا ہے ___ اور ملاح کا

خشک حقہ، کسی آنے والے کا انتظار کر رہا ہے۔

کتنے طوفان آئے، کتنے سیلاب آئے، لیکن یہ جھونپڑی،

اُس مقام پرایستادہ ہے جہاں اسے تیرے اباؤاجداد نے بنایا تھا۔

اِسی جھونپڑی میں تیرے دادا نے جنم لیا۔ اسی میں تیرا باپ پیدا ہوا۔ اِسی کی تاریکی میں تو نے آنکھیں کھولیں۔ دریا میں طوفان تھا۔ بادل گرج رہا تھا۔ موجیں بپھر رہی تھیں۔ اور لہریں، اس جھونپڑے کے قدم چوم رہی تھیں۔ ایسے میں تو اس دنیا میں آیا۔ جھونپڑی کا چراغ اُس وقت بھی اِسی طرح ٹمٹما رہا تھا۔ اور حقّہ اُس وقت بھی خشک تھا اور آج بھی۔

ترے باپ اور دادا نے اپنی بوڑھی کشتی دریا میں ڈال دی،

اور تری پیدائش پر مچھیروں نے مل کر دریا کا گیت گایا۔

کتنا جوش آفرین تھا، وہ گیت،

سنو، اے ناخدا، وہ گیت،

ہم سمندر کی اولاد ہیں،

ہم اس کے سینے پر لیٹتے ہیں اور اس کی موجوں سے کھیلتے ہیں،

ہم طوفانوں اور سیلابوں میں مسکراتے ہیں

اور گردابوں میں ناچتے ہیں

ہم موجوں کے منہ موڑ دیتے ہیں،

ہم برستے بادلوں کو دیکھ کر قہقہے لگاتے ہیں،

ہم سمندر کی اولاد ہیں،

اور ___ جو ___ طوفاں سے ڈرتے ہیں، اور بپھری ہوئی موجوں سے ہراساں ہیں،

وہ ہم میں سے نہیں۔

ہم دریا کے سینہ پر اپنی عظمت کا پرچم لہراتے ہیں،

اور تاریک راتوں ____ اور مہیب برساتوں میں،

اپنی کشتی کو کھیتے کبھی ہچکچاتے نہیں،

اور یہی ہماری اولاد کا طغرائے امتیاز ہے،

اور اپنی غرقابی پر کبھی آبدیدہ نہیں ہوتے

ہم سمندر کی اولاد ہیں۔''

اے ناخدا،

سُنا تونے وہ گیت

جو تیرے باپ دادا نے اپنے دوسرے ساتھیوں سے مل کر دریا کی سطح پر گایا؟ کیا تو اسے برداشت کرے گا

کہ تیرے اباواجداد کی روشن اور درخشند پیشانیوں پر تیری بزدلی کا سیہ داغ لگ جائے

اور تیری نامردمی کی وجہ سے اُن کی شناوری کا نام بدنام ہو جائے۔

طوفان سے نہ ڈر،

بپھری ہوئی موجوں سے ہراساں نہ ہو۔

بادبان کھول دے اور کشتی موجوں کے حوالے کر کے خوشی کے گیت گا۔

☆☆☆

نظم

اس وسیع کائنات میں

نیلگوں آسمان کی غیر محدود چھت کے نیچے

جس قدر انسان ہیں

سب ایک ہی رشتہ سے تعلق رکھتے ہیں

اور ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں۔

نسل ورنگ کے جھگڑے

اور جغرافیائی حدود کی قیود

سب مصنوعی اور خودساختہ ہیں

ورنہ انسانوں میں انساں ہونے کی صورت میں کوئی فرق نہیں۔

پجاری،

دیکھ، تیرے دروازے پر بھوک کا دیوتا، کھڑا دستک دے رہا ہے۔ اٹھو، اے پجاری _ پوجا کا وقت

ہو گیا۔

گہری نیند کا ماتا_ پجاری_ مندر کے دروازے پر دستک کی آواز سُن کر آنکھیں ملتا ہوا بیدار ہوا۔ اور اس نے مندر کے کواڑ کھول دیئے۔ اس وقت وہ سوچ رہا تھا کہ دیوتا کی ایک نظر التفات میری تاریک زندگی کو درخشندہ تابندہ بنا دے گی۔

دروازہ کھلا تو اس کی نیم وا آنکھیں

ایک نحیف ولاغر مسافر سے دو چار تھیں۔ پچکے ہوئے گال، اُبھرے ہوئے رخسار، پیشانی میں دھنسی ہوئی آنکھیں، پھٹے ہوئے تار تار کپڑے۔ وہ بید مجنوں کی طرح کانپ رہا تھا۔ ہڈیوں کا مجموعہ۔

اُس نے کانپتی اور لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

بابا،

بھوکا ہوں،

کئی دن سے بھوکا۔

پجاری__ نے غصّہ سے جھنجھلا کر دروازہ بند کر لیا۔

روٹی۔ بھوک__ یہ مندر ہے۔ مندر__

نادان انسان،

بھکاری، تاریک رات میں_ سردی سے کانپتا اور لرزتا ہوا۔ بھُوک اور سردی کی تاب نہ لا کر وہیں گرِ پڑا۔ اُس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

اے بھگوان_ یہ تیرا مندر نہیں۔

بلکہ پجاری کا گھر ہے۔

اور مندر کے اندر__ پجاری نے ڈٹ کر کھیر اور پوریاں کھائیں۔ لیکن ایک بھگوان کا بندہ_ مندر کے بند دروازے پر بھوک اور سردی سے ایڑیاں رگڑ رگڑ اور سِسک سِسک کر مر گیا۔

میں نے ایک رفیع الشان مسجد، منقوش دروازے پر ایک فاقہ کش بھکاری کو صدا کرتے سنا۔

بابا، بھوکا ہوں،

کچھ دو، خدا کے نام پر۔

ایک نوجوان_ خوبصورت رکابیوں میں پلاؤ_ اور قورمہ ڈالے، مسجد میں آیا اور بھکاری کے قریب

سے گزر کر حریص ملّا کے قریب پہنچ گیا جو رکابیوں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔فقیر نے پھر کہا۔

رقت آمیز_ اور دردانگیز آواز میں کہا۔

بابا بھوکا ہوں،

کچھ دو، خدا کے نام پر۔

مسجد کے اجارہ دار نے دیدے پھاڑ کر کہا

مردود_ کہیں کا،

یہ بھوک تیرے گناہوں کی سزا ہے۔تو نے کبھی بھولے سے بھی نماز نہیں پڑھی۔

بھکاری نے کانپتی اور لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''جی نہیں''

مغرور ملّا نے چیخ کر کہا۔

کم بخت کہیں کا__ نکل_ خدا کے گھر سے_ اور اُس نے مسجد کے کواڑ بند کر کے قفل چڑھا دیا۔

فقیر نے کہا۔

اے خدائے لایزال۔میں نے اسی سال کی عمر میں تجھے کبھی بھولے سے بھی یاد نہیں کیا،لیکن تو نے اِس طویل مدت میں کبھی ایک روز کے لئے بھی میری روٹی پر پابندی نہیں لگائی_ لیکن یہ ملّا_ اور پنڈت_ جو تیرے گھر پر قابض ہیں،فرعون بے سامان بنے بیٹھے ہیں۔

تیری خدائی کے اُجارہ دار۔

فقیر مشتعل ہو گیا۔

اُس نے آسمان کی طرف آنکھیں اُٹھا کر کہا،

کہاں۔ہیں؟

ہلاکو_ چنگیز_ غزنوی_ اور کالا پہاڑ_ ؟

ان مقفّل عبادت گاہوں کو بیخ دین سے اُکھاڑ پھینکیں۔

یہ ظالم پجاری۔مغرور ملّا۔

گناہ کی اولاد_ خدا کے باغی۔

اللہ کے گھروں پر قفل ڈالنے والے۔

لاؤ ___ ہتھوڑا ___ اورکدال،

توڑ دو قفل ___ اکھاڑ دو ___ ان سیہ خانوں کو۔

یہ عبادت گاہیں،

منافقت اور ریاکاری کے مرکز بن چکے ہیں۔

نفس پرستی کے اڈے،

دین فروشی کے ادارے،

دشمنی اور نفرت کا پرچار کرنے والی درسگاہیں،

خدا کے نام پر خدا فروشی کرنے والے،

دین کے نام پر دین کی بنیادیں اکھاڑنے،۔

قرآن ___ ویداور انجیل ___ رٹ کر، ان کی روح سے مذاق کرنے والے ملاّ پادری ۔ اور پنڈت ۔دجل وفریب کے متحرک پیکر،۔

انسانیت اور اخلاق سے عاری، ہمدردی اور محبت سے تہی، نفرت کے پتلے،

کیا اس قابل ہیں

ان عبادت گاہوں پر قابض رہیں،

مذہب کے نام پر لوگوں کو لوٹیں ۔اور عزتوں کا صفایا کریں۔

فقیر نے غصہ میں کانپتے ہوئے کہا۔

او_ دین فروش ملاّ ؤ؟

او_ ''پوترتا'' کے نام پر غلاظت پھیلانے والے پنڈتو!

ہم خاک نشینوں کے نفرت سے نہ دیکھو۔

ہمارا تمسخر اور مذاق نہ اڑاؤ۔

کیا ''انا'' کی عظمت کا اندازہ تم کر سکتے ہو۔

ممکن ہے ۔ان ہی پھٹے پرانے گوڈری پوش خاک نشین انسانوں میں وہ بلند مرتبت انسان ہوں جن کی چوکھٹا پر فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا گیا ہو۔

ان میں ہی شہسواران طریقت وحقیقت چھپے ہوں۔

او نادانو،

انہیں نفرت وحقارت سے نہ دیکھو۔

ان کے سینہ میں بھی دل ہے اور دل میں خدا کا نور۔

کیا تم ان سے اس لئے نفرت کرتے ہو۔

کہ ــــ یہ

بیمار، نحیف، مفلس اور نادار ہیں۔

دنیا کے یہ عبادت خانے، ابن آدم سے زیادہ مقدس، اطہر نہیں ہو سکتے۔

تم کیا جانو

اس بھکارن کے بطن سے ایک ایسا انسان جنم لے جو تاریخ عالم کی ہیئت کو ہی بدل دے اور ایک ایسی دنیا تخلیق کرے جس میں انسانیت کی اساس محبت پر رکھی جائے۔

تم ان جھونپڑیوں کو نفرت سے نہ دیکھو۔

تم کیا جانو کہ

ان جھونپڑیوں میں کوئی ایسا جوہر نایاب پل رہا ہو جس کی ندا سننے کے لیے زمانہ ایک مدت سے گوش برآواز ہے۔

انہیں زمین کا بوجھ سمجھ کر حقارت کی ٹھوکریں نہ مارو۔

تم کیا جانو

ان میں کتنے بایزید اور ہریش چندر ہوں۔ کل جب ان ہی خاک نشینوں میں سے کسی نے سر اُٹھایا اور جاہ وحشم نے اس کے قدم چومے، تو تم ہی ہو گے جو اُن کے آستان جلال پر سجدہ ریز نظر آؤ گے، ان کی قصیدہ خوانی کرو گے۔

انہیں گوالا اور چرواہا کہہ کر نفرت کی ہنسی نہ ہنسو۔

کسان کے گاڑھے کے میلے کچیلے کپڑوں اور پھٹی ہوئی پاپوش پر نفرت وحقارت کے ڈونگرے نہ برساؤ۔ ہو سکتا ہے۔ کہ ان میں کوئی مستقبل کا تاجدار ہو!

ان چرواہوں کو حقارت سے نہ دیکھو۔ تم نہیں جانتے ان میں سے ہی ایک ایسا نبی ہوا۔ جس کی رحمتہ العالمینی کے صدقے میں انسانوں کا درجہ انتہائی بلند ہو گیا۔

تمہارے دروازے پر کوئی فاقہ کش آیا تھا۔ تم نے نفرت وحقارت سے انہیں دھکے دے کر بھگا دیا۔

نادانو۔تمہیں کیامعلوم کہ اس بھیس میں کوئی مردِ حق آگاہ ہی تمہاری آزمائش کررہا ہو۔

اے ندیم

تیرے دل میں حرص وآز کی آگ سلگ رہی ہے۔اورتری آنکھوں سے خودغرضی کی چنگاریاں برس رہی ہیں۔اگرتو لالچی ،حریض،اورخودغرض نہ ہوتا تو فرشتے تیرا پانی بھرتے اورحوریں تیری چاکری کرتیں۔

اے ندیم

دردِدل ہی لذّتِ حیات ہے۔

یہ نہ بھول

کہ نفرت وحقارت،اورحرص وآز تجھے ہلاکت کے عمیق غار میں دھکیل دیں گے۔

اورتجھ سے تیری انسانی خوبیاں اورجوہرچھن جائیں گے۔

ترجمہ اسبط احمد

بڑھے چلو،چلوچلو بڑھے چلو

کہ طبل جنگ بج رہا ہے اونچے آسمان پر
عجیب سا سرور چھا گیا ہے کُل جہان پر
بدن پہ کھل رہے ہیں روشنی کے عکس سے

بڑھے چلو،چلوچلو بڑھے چلو

نئی سحر سے اپنے بام و در سجائیں گے
سیاہیوں کے در پہ ضرب حیدری لگائیں گے
شبِ سیہ کے بطن سے کرن کرن ابھار کر
رکاوٹوں کے کوہسار راہ سے ہٹائیں گے

حیات نو سے موت ہمکنار ہو گی ایک دن
حسین موسموں کے پر بہار گیت گائیں گے
بڑھے چلو، چلو چلو بڑھے چلو

بغور یہ صدا سنو! صدا نئی حیات کی
لگام اپنے ہاتھ میں پکڑ لو کائنات کی
تمہاری جستجو سے زندگی کو راہ مل گئی
بڑھے چلو، چلو چلو بڑھے چلو

جلو میں اپنے اہتمامِ رنگ و بو لئے ہوئے
اٹھو اٹھو شہادتوں کی آرزو لئے ہوئے
تمہارے سامنے عدو ہے آج صف بہ صف کھڑا
بڑھو ! تم اپنے جسم میں نیا لہو لئے ہوئے
سپاہیو تمہی سے زندگی میں روشنی ہوئی
بڑھے چلو نئے دنوں کی جستجو لئے ہوئے
بڑھے چلو، چلو چلو بڑھے چلو

اگر تم آج حکمراں نہیں ہو اس جہان میں
تو کیا ہوا، یونان، روس، روم اور ایران میں
ہر ایک فرد جاگ اٹھا ہے جستجو کے دھیان میں
محل بناؤ! پھر سے زندگی کے سائبان میں
بڑھے چلو، چلو چلو بڑھے چلو

☆☆☆